سیف اللہ خالد

سوال......

بات پرانی ہے مگر اتنی بھی پرانی نہیں۔ دوروز قبل کا قصہ ہے جس نے قلب وذہن کو بری طرح سے جکڑ رکھا ہے۔ ایک ایسا منظر جو بھلائے نہیں بھولتا۔ ۶۰ برس کا مدوجزر، اخلاقی اقدار میں تبدل بلکہ تنزل کی پوری داستان مجسم ہو کر سامنے آ گئی۔ وہ ۳۰ کے قریب افراد تھے۔ کچھ کم زیادہ بھی ہو سکتے ہیں۔ خواتین وحضرات یکساں تعداد میں ہوش وحواس سے بے گانہ گھاس کے فرش پر اور کچھ خصوصی طور پر بچھائے گئے قالین پر آڑے ترچھے، الٹے سیدھے، اوندھے پڑے تھے۔ زیادہ تر لوگ لباس کی قید سے آزاد تھے۔ خواتین کے لباس تو بعض جگہ نوچے پڑے تھے، دھجیوں کی صورت۔ بعض نے بے ترتیبی سے اتار پھینکے تھے۔ اسٹیج پر سی ڈی پلیئر اب بھی کچھ الابلا بکے چلا جا رہا تھا مگر یہ سب ہوش وحواس کی دنیا سے ناتا توڑ چکے تھے۔ انھیں یوں پڑے دیکھ کر چند روز قبل ۸۰ سالہ خاتون اسماء بی بی کی داستان یاد آ گئی کہ آج سے کامل ۶۰ برس قبل بھی کچھ لوگوں نے ایسا ہی منظر دیکھا تھا۔ آڑے ترچھے، سیدھے الٹے، اوندھے پڑے لوگ لباس سے بے گانہ خصوصاً نوچی کھسوٹی بیبیاں۔ فرق اتنا ہے کہ ان کے جسم خون میں نہائے ہوئے تھے اور روحیں رب العالمین کے دربار میں سرفراز ہو چکی تھیں...... لیکن اب کہ یہ وجود اپنے معدے سے اگلی جانے والی غلاظتوں سے لتھڑے تھے اور ان کے حواس ولایتی مشروب نے مختل کر رکھے تھے۔ نمازِ فجر کے لیے مؤذن کی صدا بلند ہو رہی تھی اور یہ بے حس وحرکت جسم کراہت انگیز منظر پیش کر رہے تھے۔ پھر دیکھا گیا کہ سیکورٹی کمپنی کے اہلکار، ان تمام مدہوشوں کے ذاتی اسٹاف کی مدد سے انھیں اٹھا کر ان کی گاڑیوں میں ڈالنے لگے جن میں اکثر کی پلیٹ سرکاری تھی اور اٹھانے والے اہلکاروں میں قانون نافذ کرنے کی ذمہ دار پولیس کے اہلکار نمایاں تھے۔ جو بے چارے رات بھر اس فارم ہاؤس کو گھیرے کڑی حفاظت کا فریضہ سرانجام دے رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں نیند، تھکاوٹ اور چہروں پر نفرت کی علامات نمایاں تھیں۔ ان میں سے اکثر تو اس وقت بھی اکتاہٹ کا شکار تھے۔ جب نمازِ عشاء کے بعد والٹن کے مشہور زمانہ مہاجر کیمپ سے کچھ فاصلے پر اس سڑک کے کنارے واقع اس فارم ہاؤس میں جشن طرب بپا تھا۔

اہل ثروت اور طاقت کے ساتھ ساتھ سرکاری پلیٹوں والی گاڑیوں میں ان خواتین کو بھی لایا جا رہا تھا جن کو اندر بیٹھے ہوئے شیطان تتلیاں کہہ کر ٹھٹھہ مخول کر رہے تھے...... چند روز قبل روزنامہ ''امت'' کو قیامِ پاکستان کے حوالے سے آپ بیتی سنانے والی بزرگ خاتون کو عین ۱۴/اگست کی صبح دل کی تکلیف ہوئی تھی اور عشاء کے بعد ان کی عیادت کو پہنچے تو وہ اپنی تکلیف سے زیادہ لاؤڈ اسپیکروں پر کان کے پردے پھاڑ دینے والی میوزک کی آواز سے اذیت میں تھیں اور بار بار ایک

ہی بات کہے جا رہی تھیں۔ کاش ان لوگوں کا بھی کوئی آج کے روز مرا ہوتا۔ انھوں نے بھی گھر بار چھوڑنے کی اذیت سہی ہوتی۔ ان کا سوال تھا کہ اگر یہی کچھ کرنا تھا تو پھر پاکستان بنانے کی ضرورت کیا تھی۔ وہاں تو یہ سب کچھ اس سے بھی زیادہ ارزاں تھا۔ ان کی باتیں اذیت دے رہی تھیں۔ آواز کے کھوج میں نکلے تو معلوم ہوا ایک اعلیٰ سرکاری عہدیدار جو نیک نام مشہور ہیں' ان کی ملکیت فارم ہاؤس میں دو معروف حاجی صاحبان نے جشنِ آزادی کا پروگرام منعقد کر رکھا ہے۔ جس میں نامی گرامی سرکاری افسران اور معززینِ شہر شریک ہیں اور شہر کی درجہ اوّل کی گانے والیاں منگوا رکھی ہیں۔ پروگرام چونکہ باقاعدہ شروع نہیں ہوا' اسی لیے سی ڈی چل رہی ہے۔ ایک حاجی صاحب سے دعا سلام تھی، فون کیا تو سیکورٹی کے کنٹرول روم میں تھے جہاں باقاعدہ سی سی کیمروں کے ذریعے فارم ہاؤس کے اردگرد اور اندر کے حالات پر نظر رکھی جا رہی تھی۔ حاجی صاحب کو گلہ تھا کہ ''مولویوں نے عجیب دہشت مچا رکھی ہے، اب دیکھیں اس طرح کے ''بے ضرر'' پروگرام کے لیے بھی سیکورٹی کا بندوبست کرنا پڑ رہا ہے۔ آپ کو اندر لے جانا ممکن نہیں یہیں بیٹھ کر انجوائے کر لیں۔'' تھوڑی دیر میں ایک پک اپ بھر کر ولایتی مشروب کی لائی گئی۔ اس کے پیچھے پیچھے ایک گاڑی میں کچھ ''خاص'' قسم کی مہمان آئیں اور یوں یہ مجلس شروع ہو گئی جو ستارۂ صبح کے طلوع ہونے تک جاری رہی اور شرکاء ناچتے ناچتے تھک کر شیطانیت پر اترے اور پھر ہوش و حواس سے بے گانہ ہوتے چلے گئے۔ پو پھوٹنے تک ان شرفا کی اگلی غلاظتیں، آلودہ قالین و تکیے باقی رہ گئے تھے یا اسماء بی بی کے سوال کہ اگر یہی پاکستان کا مقصد تھا تو ہمارے بچے کیوں نیزوں پر پروئے گئے، ہمارے گھر کیوں اجاڑے گئے، ہماری مسجدوں کی بے حرمتی کیوں کی گئی؟ جس اسلامی پاکستان کا وعدہ تھا وہ کہاں ہے؟ اب انھیں کون بتائے کہ اصل قصہ کیا ہے اور قافلے کو ٹھوکر کہاں لگی۔ اب اس پرانی نسل کو کیسے بتایا جائے کہ زمانہ بدل چکا، روشن خیالی ہر نقشِ کہن پر حاوی ہے۔ وہ اپنا پاکستان تلاش کرنے کی جدوجہد چھوڑ دیں۔ زندگی کے دن پورے کریں مگر یہ سب ان بزرگوں سے کہنے کی ہمت نہیں پڑتی۔ ورنہ اب اور تب کا فرق جاننے کے لیے مختار مسعود کی ''نوٹ بک'' پر امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے آٹوگراف سے زیادہ بلیغ شاید ہی کچھ ملے:

وہ اٹھتا ہوا اک دھواں اوّل اوّل
وہ بجھتی سی چنگاریاں آخر آخر
قیامت کا طوفان، صحرا میں اوّل
غبارِ رہِ کارواں آخر آخر
چمن میں عنادل کا مسجود اوّل
گیاہِ رہِ گُل رُخاں آخر آخر